

اقبال اور اسلامی ثقافت

رحیم بخشہ شاہینہ

ثقافت کیا ہے

انگریزی لفظ کلچر (Culture) اردو میں تہذیب و ثقافت اور سویلائزیشن (Civilization) اردو میں تمدن کے مترادف ہے۔ ثقافت اور تمدن میں عام طور پر فرق نہیں کیا جاتا مگر دو چیزوں سے ایک ہی مفہوم لیا جاتا ہے اور وہ ہے رقص و سرود یا حفظ و الم کے اظہار کے طریقے اور اجتماعی رسم و رواج وغیرہ۔ حالانکہ اس جگہ ایک چیز اور زیادہ عام بھی لوجو ہے جسے ہم لازمہ حیات کہہ سکتے ہیں اور اس میں انسانوں کے ساتھ جانور بھی شریک ہیں بہر حال لازمہ حیات کو الگ کر کے بھی دیکھا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ تہذیب و ثقافت کا تعلق ہمارے ذہنی رجحانات و قلبی میلانات سے ہے جن میں مذہبی میلان کو اہم مقام حاصل ہے۔ ہم تمدن کو تہذیب و ثقافت کے علی مظاہر کا مجموعہ قرار دے سکتے ہیں جو تہذیب و ثقافت جڑ ہے اور تمدن اس درخت کی شاخیں ہیں۔ تہذیب و ثقافت کا تعلق اجتماعی اقدار سے ہوتا ہے۔ اور تمدن اس ڈھانچے کا نام ہے جس کی تعمیر و تشکیل ان اقدار و نظریات پر ہوتی ہے۔

تمدنی مظاہر کا اختلاف تاریخی و جغرافیائی ماحول کی وجہ سے بھی رونما ہوتا ہے اور تہذیبی اقدار کے اختلاف سے بھی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی نوع کی تہذیبی قدروں کے ماننے والے مختلف علاقائی اثرات کے تحت مختلف تمدنوں کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن خود سے دیکھا جائے تو یہ اختلاف قدرت کے عین مطابق نظر آتا ہے۔ ایک ہی برادری اور خاندان کے افراد بھی بعض یکساں میلانات رکھنے

کے باوجود مختلف طریقوں کے مالک ہو سکتے ہیں۔ گلاب پھولوں کی ایک نوع ہے لیکن یہ پھول اپنی یکساں نوعی خصوصیات کے باوجود مختلف رنگ اور روپ میں نظر آتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی ملت، تہذیب، یا ثقافت مختلف جغرافیائی اور تاریخی پس منظر میں ایسے تنوع اور بولچالوں کا مظاہرہ کر سکتی ہے جو اس کے بنیادی اصول و اقدار سے متناقض نہ ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس ثقافت کو ہم اسلامی کہتے ہیں اس کی امتیازی قدریں کیا ہیں جو دنیا بھر کے مسلم معاشروں میں یکساں طور پر پائی جانی چاہئیں تاکہ ہم بین الاقوامی طور پر اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب و ثقافت میں خط امتیاز کھینچ سکیں علامہ اقبال نے تشکیل حیدرالیات اسلامیہ کے پانچویں خطبے ”اسلامی ثقافت کی رُوح“ میں اس سوال کا جواب دیا ہے

اسلامی ثقافت کی رُوح

خطبہ کا اصل عنوان ”اسلامی ثقافت“ نہیں بلکہ اسلامی ثقافت کی رُوح ہے۔ گویا اقبال نے نہ تو لفظ ثقافت کے آخذ اور اطلاقی پہلوؤں سے بحث کی ہے اور نہ اسلامی ثقافت کے جملہ اصولوں کی تشریح کی ہے بلکہ اس خطبے میں اصولوں نے صرف انہی اصولوں کی توضیح کی ہے جو اسلامی ثقافت میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، یعنی نبوت کی حقیقت، ختم نبوت کی اہمیت، معرفت نفس کا مقام، مطالعہ کائنات و تاریخ کی ضرورت، زمان و مکان کی حقیقت، ذات الہی کا تصور، حیات ملی و وحدت انسانی کا نظریہ وغیرہ، اختصار کے پیش نظر اقبال نے اسلامی ثقافت کے ایک اہم اصول یعنی توحید کو اس میں موضوع بحث نہیں بنایا۔ اصول توحید کی تشریح اقبال نے اپنے چھٹے خطبے میں کی ہے۔ اسی طرح نبوت کی حقیقت سمجھنے کے لیے منہ سبی یا صوفیانہ مشاہدات کا جائزہ اقبال نے پہلے خطبے میں لیا ہے یہاں ان تینوں خطبوں کی روشنی میں اسلامی ثقافت کی رُوح پر تبصرہ کرنا مقصود ہے۔

وحی و نبوت

اقبال نے اس خطبہ کے آغاز میں مشہور صوفی شیخ عبدالقدوس گلگڑی کا یہ قول نقل کیا ہے:

مقام نبوت

دلی یا صوفی و جہان میں غرق ہو کر اکثر دہریہ رہ جاتا ہے اس لیے اہل عالم پر اس کا اثر بہت کم ہوتا ہے لیکن نبی اس حال سے دلپس ہو کر عالم انسانیت کے نظام کہنہ کو تو دبا لا کرنے کے لیے آمادہ عمل ہوتا ہے۔ اس طرح اسی کے انقلابی اقدامات اپنے نتائج کے اعتبار سے اس کے ذریعے علم کی صداقت کی محکم دلیل بن جاتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں :

” صوفی کے لیے تولد، اتحاد ہی آخری چیز ہے لیکن انبیاء کے لیے اس کا مطلب ہے ان کی اپنی ذات کے اندر کچھ اس قسم کی نفسیاتی قوتوں کی بیداری جو دنیا کو زیر و زبر کر سکتی ہیں اور جن سے کام لیا جائے تو جہان انسانی دگرگوں ہو جاتا ہے لہذا انبیاء کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان واردات کو ایک زندہ اور عالمگیر قوت میں بدل دیں گویا ان کی بازا آمد ایک طرح کا عملی امتحان ہے خود ان کے مشاہدات اور واردات کی قدر و قیمت کا۔“

ختم نبوت

آغاز تاریخ میں چونکہ انسانی عقل و شعور ارتقاء کے ابتدائی مرحلوں میں تھا اس لیے وحی نبوت کی شدید ضرورت تھی۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے قوموں کی طرف پے در پے انبیاء کرام کو مبعوث کیا لیکن ارتقاء کے ایک خاص درجے تک پہنچ کر انسانیت کو وحی نبوت کی ایسی ضرورت نہ رہی کہ اس کی تکمیل کے لیے ہر زمانے میں کسی نہ کسی پیغمبر کی بعثت لازمی مستردی جائے۔ اس موقع پر جیسے انسانیت کے بلوغ یا تکمیل شعور کا درجہ کہا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کا اعلان فرما دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور رسول مسترد دیا۔ چونکہ حضور نے اپنے اس وقت حسنہ سے انسانوں کی ایک بڑی جماعت کو یہ تربیت دے کر مہزون منت کیا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں

روزمرہ اچھونے والے مسائل کو وحی کی روشنی میں کس طرح حل کیا جا سکتا ہے۔ اور آپ کی ذات پر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو بر لحاظ سے مکمل کر دیا ہے لہذا آپ کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر علم کے وہ سرچشمے منکشف کئے جو اس کی آئندہ ضروریات کی تکمیل میں مدد و معاون ثابت ہو سکتے تھے۔

”اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یوں نظر آئے گا جیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم اور جدید کے درمیان ایک واسطہ کی ہے باعتبار اپنے سرچشمہ وحی کے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے دنیائے جدید سے۔ یہ آپ ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر علم و حکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رخ کے عین مطابق تھے۔“

عقل استقرائی

علم و حکمت کے ان تازہ سرچشموں میں عقل استقرائی کا ظہور خاص اہمیت رکھتا ہے اس نے دنیا کے علم و فن کو ایک زبردست انقلاب سے دوچار کیا عقل استقرائی کا ظہور اس بہت کا ثبوت ہے کہ اب نبوت کو ختم ہونا ہی چاہیے تھا۔ اقبال کہتے ہیں:

”اسلام میں نبوت چو بھکا اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی لہذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔ اسلام نے نوبت سمجھ لیا تھا کہ انسانی ہمیشہ مہاروں پر زندگی بس نہیں کر سکتا، اس کے شعور و ذات کی تکمیل ہوگی تو وہ نبی کر وہ خود اپنے مسائل سے کام لینا سیکھے۔“

وحی کی ضرورت

اقبال کے خیال میں ختم نبوت کا اعلان اور عقل استقرائی کا ظہور ہی تھا جس کی بنا پر دینی پیشوائیت

اور مودنی بادشاہت کی نفی کی گئی اور بد با عقل و تجربہ پر زور دیا گیا۔ نیز عالم فطرت اور تاریخ کو علم انسانی کا چشمہ قرار دیا گیا۔ ختم نبوت کا مطلب انکار وحی نہیں بلکہ روحانی زندگی میں جس کے انکار کی سزا جہنم ہے ذاتی شر کا خاتمہ ہے۔ گویا اب وہ منزل آچکی ہے جہاں دارعات مذہبی کو بلا چن چلوا تسلیم کر لینا درست نہیں۔ نبی کریم کے بعد کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے اہام کو تنقید سے بالاتر قرار دے۔ اس طرح اقبال نے واضح کر دیا کہ ختم نبوت کے بعد اگر کوئی آدمی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اسلامی ثقافت کی روح پر حملہ آور ہوتا ہے کیونکہ اس طرح وہ ایک طرف عقل مستقراتی کی تردید کرتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنے باطنی مشاہدات کو تنقید سے بالاتر قرار دیتا ہے اور اس طرح ملت اسلامیہ پر نوح بنوع خطرات کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہے لہذا اقبال مسلمانوں پر زور دیتے ہیں۔

”مسلمانوں کو چاہیے کہ صوفیانہ واردات کو خواہ ان کی حیثیت کیسی ہی غیر معمولی

اور غیر طبعی کیوں نہ ہو ایسا ہی فطری اور طبعی سمجھیں جیسے وہ اپنی دوسری واردات اور

اس لیے ان کا مطالعہ بھی تنقید و تحقیق کی نگاہوں سے کریں۔“

علامہ ابن خلدون نے صوفیانہ مشاہدات کی تنقید کے سلسلہ میں جو بحثیں کیں علامہ اقبال ان کو سراہتے ہیں اور غالباً یہی وجہ تھی کہ علامہ اقبال نے احمدیت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کی پر زور تردید کی اور بدلائل یہ ثابت کیا کہ اس قسم کے دعوؤں سے ملت اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔

مطالعہ تاریخ

علامہ اقبال نے قرآن کی روشنی میں مطالعہ تاریخ کو بھی علم کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ اس علم کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ کائنات میں روحانی اور حرکت ہے جب کہ فلسفہ یونان اس کے خلاف کائنات کے

۴۔ حرف اقبال مرتبہ لطیف احمد خاں شردانی۔ ص ۱۲۳

ساکس اور جلد ہونے کی رائے کا قائل تھا۔ لیکن فلسفہ یونان کا زور چومکہ حقائق کی بجائے محض نظریات پر ہے اس لیے اپنی علمی ترقی کے آغاز میں تو مسلمان اس سے کسی حد تک متاثر ہو گئے۔ لیکن آخر کار وہ اس کے فریب سے نکل گئے۔ فلسفہ یونان زیادہ طویل عرصے تک مسلمانوں کو متاثر نہ کر سکا کیونکہ وہ عقل استقرائی کے قائل تھے مسلمانوں کی اسی قرآنی روش نے انھیں دنیا سے منہس میں عظیم الشان کائنات سے بنام مینے کے قابل بنایا۔ ابو بکر رازی اور ابن حزم وغیرہم نے یونانی فکر پر شدید اعتراض کئے اور استقرائی طریق پر نور دیا۔ البیرونی اور الکندی جیسی ہستیاں جدید علمی طریق کی بانی میں ہر مقام سرت ہے۔ لامتناہی حقیقتیں نے مسلمانوں کی علمی پیش رفت اور اولیت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے اس سلسلہ میں اقبال نے ڈورنگ (Duhring) اور بریفاٹ (Briffant) کے حوالے سے مغربی دنیا پر اسلامی اثرات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ بریفاٹ کہتا ہے:

”ہم جسے سائنس کہتے ہیں یورپ میں اس کا ظہور تحقیق و تفتیش کی جس نئی روح کی بدولت ہوا وہ نتیجہ تھی اس کے نئے نئے منہاجات تحقیق، منہاج تجربی، مشاہدے، پیمائش اور ریاضی کی ایک ایسی شکل میں نشوونما کا جس سے اہل یونان سہرا سر بے خبر تھے۔ یہ نئی روح اردنئے منہاجات یورپ میں پھیلے تو عربوں ہی کے ذریعے پھیلے۔“

مسئلہ زمان و مکان

عربوں میں جب علمی ترقی کا آغاز ہوا تو یونانی افکار نے انھیں شرعی تعلیمات کی روح سے بیگانہ کر دیا لیکن آخر کار وہ قرآنی روح سے آشنا ہوئے تو وہ ایک زبردست فکری انقلاب سے دوچار ہوئے۔ قرآن نے انھیں متناسی سے لامتناہی کی طرف حرکت کی تلقین کی اور نفس انسانی کے ارتقاء کا وسیع میدان ان کے سامنے رکھا۔ نفس انسانی کو معرفت الہی معرفت ذات کی وساطت سے بہتی ہے اور معرفت ذات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ ماضی حال اور مستقبل میں

منقسم زمان (Serial Time) اور خارجی مکان کی حدود سے نکل کر اپنی ذات
میں غوطہ زنی ہوتا ہے جہاں کا زمان حقیقی (Pure Time) ہے۔ اقبال ہنگامہ
کی زبان میں کہتے ہیں۔

”یونانیوں کی نظر ہمیشہ تناسب پر رہی لامتناہیت سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں

تھی ان کا ذہن ہمیشہ وجود متناہی کی قدرتی شکل و ہیئت اور اس کے قطعی اور معین

حدود میں الجھا رہا اس کے برعکس اسلامی تہذیب و ثقافت کی تاریخ کا مطالعہ

کیجئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ فکر محض ہوا یا انشیاں مذہب یعنی تصوف کے مدارج عالیہ دونوں کا نصب العین یہ رہا
کہ لامتناہی سے لطف اندوز ہوں بلکہ اس پر قابو حاصل کریں“۔

مسلمانوں نے جب کائنات پر اس پہلو سے غور و فکر شروع کیا تو انہیں زمان و مکان کے مسئلے سے دوچار
ہونا پڑا جس کے نتیجے میں ان کی نظر حیات و کائنات میں جدی و ساری اصول ارتقاء پر پڑی، ان مسکو یہ
جا حظ وغیرہ نے ارتقاء کے نظریات قائم کئے اس طرح اقبال نے واضح کیا
کہ بیلابیلی ثقافت کی روح تھی جس نے انسانیت کو غور و فکر کے نئے زاویوں اور سانچوں سے متعارف
کیا علامہ اقبال زمان و مکان کے سلسلے میں عراقی اور خواجہ محمد پارسیا کے نظریات سے بھی بحث کرتے
ہیں ان کی نظر میں عراقی ریاضی سب سے بہرہ اور اسطو کے نظریات سے زیادہ متاثر تھا اس لیے
وہ آ زادانہ غور و فکر کی ماہ میں آگے قدم نہ بڑھا سکا ورنہ وہ یہ سمجھ لیتا کہ مکان کے مقابلہ میں زمان
زیادہ اساسی حقیقت ہے یہ زمان تغیر سے عاری نہیں اور یہ تغیر کل یوم ہونی شان کے مصداق
تکون و تخلیق کا نتیجہ ہے جس کی بدولت حیات و کائنات میں مسلسل اضافہ و ترقی ہو رہی ہے۔
اقبال کہتے ہیں۔

”عراقی اپنے اس نظریے کے ماتحت کہ زمان الہیہ تغیر سے عاری ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا

یہ نظریہ وارداتِ شعور کے ایک ناکافی تجزیے پر مبنی تھا۔ حقیقی اس نسبت کے فہم سے قاصر رہا۔ جو زمانِ مسلسل کو زمانِ الہیہ سے ہے اور جو اگر اس کی سمجھ میں آجاتی تو تخلیقِ مسلسل کا خالص اسامی تصور بھی اس پر منکشف ہو جاتا۔ یعنی یہ حقیقت کہ کائنات اضافہ پذیر ہے۔“ ۹

لاذوال اصول

یہی وہ حقیقت ہے جو فلسفہ تاریخ کی بنیاد ہے اسی حقیقت کے شعور سے ابنِ خلدون نے اپنے مشہور آفاق مقدمہ تاریخ میں اقوام و ملل کے آغاز و انجام، عروج و زوال کے اسباب پر غور و غوض کیا ہے اور حقائق کی دریافت کا یہی جذبہ ہے جس سے تاریخ اور حدیث کے راولوں کی جانچ پرکھ کے جامع اصول وضع کرنے میں اہم کردار ادا کیا، مطالعہ تاریخ نے جہاں مسلمانوں میں حقائق کی جستجو کا مادہ پیدا کیا وہاں اسامی ثقافت کو دو لازوال اصول بھی ہم پہنچائے۔

۱۰۔ وحدتِ حیات

۱۱۔ حقیقتِ زمان

وحدتِ حیات

وحدتِ حیات قرآن کا ایک بنیادی تصور ہے اسلام سے پیشتر اگر یہ تصور کہیں کار فرما رہا تو محض علمی حیثیت سے جب کہ اسلام نے صرف اس نظریہ کو علمی طور پر ہی متولی نہیں کیا بلکہ اس کے علمی پہلو کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ یورپ اپنی جلد ترقیوں کے باوجود نوع انسان کی وحدت کے تصور سے بیگانہ رہا لیکن اسلام کی تاریخ اس سے بالکل مختلف ہے۔ بقول اقبال ۱۔

”یہاں وحدتِ انسانی کا خیال نہ تو محض کوئی فلسفیانہ تصور تھا، نہ شاعرانہ خواب بلکہ نذر تو“

دلالت ہے اور دوسری طرف حرکت کی طرف راغب کرتا ہے یہی وہ تصور ہے جو اسلامی معاشرے کو
اجتہاد کے ادارے سے آشنا کرتا ہے۔ قرآن و سنت کی
روحانی بنیاد کے لیے بنیادی اصولوں کی مدد سے ہم روزمرہ تبدیلیوں کی جانچ پڑتال کر کے
یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ کس حد تک اسلامی ثقافت سے ہم آہنگ ہیں۔ اقبال کے خیال میں
اسلام کو اپنا دعوت و حرکت دینا ہے۔

توحید

اسلامی ثقافت کی روح کا ایک چلو عقیدہ توحید بھی ہے اور اس عقیدہ نے مزید ایسے اصولوں کو جنم
دیا جو ملت اسلامیہ کی تشکیل میں بے حد اہمیت رکھتے ہیں اقبال نے اس موضوع پر اپنے چٹے خطبے
”الاجتہاد فی الاسلام“ میں روشنی ڈالی ہے توحید محض عقیدہ نہیں بلکہ مسلم معاشرے پر
اس کے مثبت اثرات بھی رونما ہوئے۔

”پھر یہ بھی ایک طبعی امر تھا کہ اسلام کا ظہور ایک ایسی سادہ مزاج قوم میں ہوتا جو تہذیب
تہذیبوں کے اثرات سے یکسر پاک اور ایک ایسی سرزمین میں آباد تھی جہاں جن برعظیم
آپس میں مل جلتے ہیں اس نئی تہذیب سے اتحاد عالم کی بنا اصول توحید پر رکھی لہذا بطور
اساس یہ بات تسلیم ہی نہیں وہاں فرمایا ہے جس سے ہم اس مقصد تک کہ توحید کا یہ اصول
ہماری حیات عقلی اور جذباتی ہی ایک زندہ عنصر کی حیثیت اختیار کرنے میں کامیاب ہو
سکتے ہیں۔“

توحید حیات کا ایک فطری تقاضا ہے لہذا خدا نے واحد کی اطاعت فطرت صحیح کی اطاعت ہے۔
”اس اصول کا تقاضا ہے کہ ہم صرف اللہ کی اطاعت کریں نہ کہ ملوک و سلاطین کی پھر
جو کچھ ذات الٰہیہ الحقیقت روحانی اس میں زندگی کی لہذا اللہ کی اطاعت فطرت

صحیحہ کی اطاعت ہے۔^۳

توحید کا نظریہ انسان کو اس کے حقیقی مقام سے آگاہ کرتا ہے اسے شرف و عظمت کا سبق دیتا اور دنیا کی تمام قوتوں سے بے نیازی اور خذلانے واحد کی اطاعت و محبت کی تلقین کرتا ہے پھر یہی وہ نظریہ ہے جو ریاست و کلیسا، مذہب و سیاست دین و دنیا، روح و مادہ کی تفریق کی تردید کرتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں :-

”اس قدیم غلط خیال کا سبب وہ تفریق ہے جو ذاتِ انسانی کی وحدت میں یہ سمجھتے ہوئے پیدا کی گئی کہ ہمارا وجود دو الگ الگ حقیقتوں کا مجموعہ ہے لیکن جو باہم اتحاد و اتصال کے باوجود دنیاوی طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں حالانکہ یہ روح ہی تو ہے کہ جب اسے زمان و مکان کے حوالے سے دیکھا جائے تو ماسکے شکل اختیار کرتی ہے لہذا انسان عبارت ہے جس وحدت سے جب اس کے اعمال و افعال کا مشاہدہ عالم خارجی کے حوالے سے کیا جائے تو ہم اسے بدن لیکن جب ان کی حقیقی غرض و غایت اور نصیب العین پر رکھی جائے تو روح کہیں گے گویا جہشیت ایک اصولِ عملِ توحیداً سا ہے حریت، مساوات اور حفظِ نوعِ انسانی کی^۴۔

نظریہ توحید ملتِ اسلامیہ کو کچھ دوانی اصول بھی دیتا ہے اور تغیر و تبدل کے امکانات کی تائید بھی کرتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ نظریہ ملت کو اساسی طور پر متحد اور ہم آہنگ بھی رکھتا ہے اور زلزلے کے تقاضوں سے ہمہ آہرنے کے قابل بھی بناتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں :-

”اسلام کے نزدیک حیات کی یرودحانی اساس ایک قائم و دائم وجود ہے جسے ہم اختلاف اور تغیر میں جلوہ گر دیکھتے ہیں اب اگر کوئی معاشرہ حقیقتِ مطلقہ کے اس تصور پر مبنی ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ثبات اور تغیر دونوں خصوصیات کا لحاظ رکھے^۵۔

^۳ ایضاً ص ۲۲۷۔

^۴ ایضاً ص ۲۳۸۔

^۵ ایضاً ص ۲۲۷۔

اسلامی ثقافت کے آثار

ان اصولوں کی بنا پر اسلامی ثقافت اور تہذیب دنیا کی دوسری تہذیبوں سے ممتاز نظر آتی ہے۔ اسلامی ثقافت کی یہی وہ رُوح تھی جو اسلام کے عالمی عقیدہ کا باعث بنی۔ خود پاکستان بعض مہتمم تہذیبوں کا گوارا رہا ہے جن کے آثار پشاور سے لے کر اچی اور مغرب میں بلوچستان کی ٹنڈو الیک نظر آتے ہیں لیکن جب اسلام اس خطہ ارض میں آیا تو گذشتہ تمام تہذیبوں کے چراغ اس کے سامنے گلے ہو گئے اور مقامی باشندوں نے اسلامی ثقافت کی عظمت کو تسلیم کر لیا یہی احساس تھا جو بعد میں مسلم قومیت کے جداگانہ وجود کے شعور اور تحریک پاکستان کے آغاز کا باعث بنا۔

